خلع میں شوہر کی رضامندی وعدمِ رضامندی اور یک طرفہ فیصلے کی شرعی حیثیت

Khula with or without Husband's Consent and Ex-party Judiciary Decision as per Shariah

ڈاکٹر فرحت جبین[*]

Abstract:
This research paper will discuss the position of khula in case of without husband's consent or with husband's consent. All jurists and scholars unanimously said that khula is purely a transaction between husband and wife and which entirely depends upon them. Neither party is to compel to another party to implement khula. There should and must be basically hatred or aversion on the part of one or both of the parties pertaining to a strong wish to annul the marriage contract or any other feeling to produce such an effect. The present study is aimed to focus exceptional position of women in Islamic jurisprudence in order to formulate certain conditions of khula and its implementations. Conditions have been made clear in Islamic jurisprudence. In case of without consent of husband, the jurists have difference of opinion. If husband is not ready to give his consent, judiciary can give unilateral decision without his consent.

شرعی معاملات کی طرح خُلع بھی ایجاب و قبول کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ تمام فقہاء اور مجتہدین کااتفاق ہے کہ خلع شوہر اور بیوی کاایک باہمی معاملہ(Transaction)ہے جو فریقین کی رضا مندی پر موقوف ہے۔ چنانچہ کوئی فریق دوسرے کواِس پر مجبور نہیں کر سکتا۔اگر شوہر زیادتی کامرتکب ہو تو تقریبًا تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اِس صورت میں اِسے چاہیے کہ وہ معاوضہ کے بغیر بیوی کو طلاق دے دے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلاَ تَأْخُذُواْ مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيناً''[۱]

---

* اسسٹنٹ پروفیسر الحمد اسلامی یونیورسٹی، کوئٹہ ،اسلام آباد کیمپس

ترجمہ: اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو اور پہلی عورت کو بہت سامال دے چکے ہو تو اِس میں کچھ مت لینا، بھلاتم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنامال اِس سے واپس لوگے؟

اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں مہر کو واپس لینے سے منع فرمایا جو شوہر اِسے دے چکا ہو اور پھر اللہ تعالیٰ نے اِس نہی کی اپنے اِس ارشاد سے تاکید کی:

أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيناً. [۲]

اور پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُواْ بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلاَّ أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ'' [۳]

ترجمہ: جو کچھ تم نے اِن کو دیا ہے اِن میں سے کچھ لے لو انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا، ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہو ں (تو روکنا نامناسب نہیں)

فقہاء اور مجتہدین کا اتفاق ہے کہ یہ ایک باہمی معاملہ ہے ایسے مقدمات جن میں شوہر خلع دینے پر رضامند نہ ہو تو ایسے معاملات پر فقہاء کے مابین اختلاف رائے پایاجاتا ہے کہ آیا شوہر کی رضا مندی شرط ہے یا بغیر شوہر کی رضا مندی میں سے یک طرفہ عدالتی فیصلہ سے خلع حاصل کیا جا سکتا ہے۔جب کہ آیتِ خلع:

''أَن يَخَافَا أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ'' [۴]

''اگر زوجین کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (شوہر) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اِن سے باہر نہ نکلنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے وہ گناہ گار ہوں گے''۔

اِس آیت کی تفسیر میں فقہاء اور مفسرین نے اپنے اپنے اقوال پیش کئے ہیں: آیت فیمـــا افتـــدت کے الفاظ بھی قابلِ غور ہیں۔اس میں بدل خلع کو فدیہ اور عورت کی ادائیگی کو افتداء کہا گیا ہے۔ابنِ قیم کی رائے میں خلع ایک عقدِ معاوضہ ہے۔ جس میں فریقین کی رضا مندی شرط ہے۔یہ معاملہ بہ اتفاق ایک معاوضہ ہوتا ہے۔ جس میں فریقین کی رضا مندی لازمی شرط ہے اور کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کرسکتا۔ ابن قیم لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو خلع کا نام فدیہ رکھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں معاوضہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔اِس لیے اس میں زوجین کی رضامندی کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔[۵]

مولانا اشرف علی تھانویؒ اِس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اور تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ (بیویوں کو چھوڑتے وقت اِن سے) کچھ بھی لو (گو وہ لیا ہوا)اس (مال) میں سے کیوں نہ ہو۔ جو تم ہی نے ان کو مہر میں دیا تھا مگر ایک صورت میں البتہ حلال ہے۔ وہ یہ کہ کوئی میاں بیوی ایسے ہوں کہ دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو ادائے حقوقِ زوجیت میں قائم نہ کر سکیں گے، سو اگر تم لوگوں کو(یعنی میاں بیوی کو) یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابطِ خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہو گا ۔اِس(مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑالے۔[۶]

ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں: اگر خلع کا یہ اختیار حاکم کو ہوتا کہ وہ جب دیکھے کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہ کریں گے (تو خود نکاح فسخ کر دے) خواہ زوجین چاہیں یا نہ چاہیں تو آپ جمیلہ اور ان کے شوہر سے اس معاملے میں کچھ نہ پوچھتے اور نہ شوہر سے یہ کہتے کہ تم اُن سے خلع کرلو بلکہ خود خلع کر کے شوہر کا باغ اُن کو لوٹا دیتے، چاہے وہ دونوں انکار کرتے یا اُن میں سے کوئی ایک انکار کرتا۔[۷]

امام سرخسیؒ کی رائے میں ”خلع حاکم کے پاس بھی جائز ہے اورحاکم کے بغیر بھی، اِس لیے کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی ساری بنیاد باہمی رضامندی پر ہے اور یہ معاوضہ لے کر طلاق دینے کے حکم میں ہے، شوہر کو طلاق دینے کا حق حاصل ہے۔[۸]

اگر زوجین کے مابین خلع کے معاملات گھر میں ہی طے ہو جائیں تو جو کچھ طے ہوا تھا وہی نافذ ہو گا لیکن عدالت صرف اس امر کی تحقیق کرے گی کہ آیا فی الواقع یہ عورت

اس مرد سے اس حد تک متنفر ہو چکی ہے کہ اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی تو اس کی تحقیق ہوجانے پر عدالت کو اختیار ہے کہ حالات کے لحاظ سے جو فدیہ چاہے تجویز کرے اور اس فدیہ کو قبول کرکے شوہر اسے طلاق دے دے۔[9]

فقہاء و مجتہدین کی آراء اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خلع صرف میاں بیوی کی باہمی رضا مندی سے ہو سکتا ہے اور ان میں سے کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کرسکتا جیسا کہ امام شافعیؒ کی رائے میں خلع طلاق کے حکم میں ہے، لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے طلاق دے چنانچہ باپ، آقا، سرپرست اور حاکم کو یہ حق حاصل نہیں۔[10]

ابو اسحٰق شیرازیؒ لکھتے ہیں کہ اس لیے کہ یہ (خلع) باہمی رضا مندی سے عقد نکاح کو ختم کرنے کا نام ہے جو ضرر دور کرنے کے لیے مشروط ہوا ہے لہٰذاجہاں کسی فریق کو ضرر نہ ہو وہاں (بدرجہ اولیٰ) جائز ہے۔[11]

خلع کا جواز اور عدم جواز:

جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ خلع باہمی رضا مندی کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ عورت کے مال کی ادائیگی پر راضی ہونے کا سبب مرد کی طرف سے اسے تنگ کرنا نہ ہو۔[12]

ابنِ قدامہؒ کی رائے میں یہ عقدِ معاوضہ ہے۔ لہٰذا اِس کے لیے حاکم کی ضرورت نہیں جیسا کہ بیع اور نکاح دوسری طرف خلع باہمی رضا مندی سے عقد کو ختم کرنے کا نام ہے لہٰذا یہ اقالہ (فسخ بیع) کے مشابہ ہے۔[13]

خلع میں شوہر کی رضامندی اور عدم رضامندی پر فقہاء کے دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ وہ فقہاء جو خلع میں شوہر کی رضامندی کو مشروط قرار دیتے ہیں تو وہ دوسرے معاملات کی طرح خلع کا رکن بھی ایجاب (offer) اور قبول (acceptance) کو قرار دیتے ہیں۔ مثلاً امام کاسانیؒ کی رائے میں ”خلع کا رکن ایجاب و قبول ہے۔ کیونکہ یہ معاوضہ کے ساتھ طلاق کا معاملہ ہے۔ لہٰذا بغیر قبول کے علیحدگی واقع نہیں ہو گی۔“[14]

خلع میں شوہر کی رضامندی کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ پاکستان کے عدالتی فیصلوں میں خورشید بی بی PLD 1976 سپریم کورٹ پر جسٹس ایس اے رحمان نے اِس اختلاف پر تبصرہ کیا اس میں جن فقہاء کے اقوال سے استدلال کیا ہے اِن کی روشنی میں مندرجہ ذیل آراء سامنے آئیں۔

(i) تمام ائمہ کا اس پر اختلاف ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کی بدصورتی یا سوئے معاشرت کی بناء پر ناپسند کرتی ہو تو اِس کے لیے جائز ہے کہ وہ شوہر سے معاوضہ پر خلع کا معاملہ کرے اور اگر ناپسندیدگی کی کوئی وجہ نہ ہو اور زوجین بلا وجہ راضی ہو جائیں تب بھی جائز ہے اور مکروہ نہیں، البتہ اس میں امام زہری، امام عطاؒ اور امام داؤدؒ کا اختلاف ہے۔ ان کی رائے میں اِس حالت میں خلع صحیح نہیں ہے۔ اِس لیے وہ عبث ہے غیر مشروع ہے۔[۱۵]

جسٹس ایس اے رحمان نے عمدۃ القاری کے حوالے سے امام مالکؒ ، امام اوزاعیؒ اور امام اسحٰقؒ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ اِن کے نزدیک زوجین کے مابین مصالحت کرانے کے لیے جو حَکَم بھیجے جاتے ہیں اِن کو تفریق کا بھی اختیار ہوتا ہے اور اگر وہ مناسب سمجھیں تو شوہر کی اجازت کے بغیر بھی تفریق کرا سکتے ہیں۔[۱۶]

آیت خلع میں لفظ فان خفتم میں خطاب أولی الأمر منکم سے مراد قاضی یا تم میں اختیار رکھنے والے لوگ مراد ہیں۔ جو اس طرح کے نزاعی معاملات کا حل پیش کریں۔[۱۷]

امام شوکانیؒ کی رائے میں اگر خلع طلاق کی قسم ہے تو یہ قسم شوہر کی رضا مندی پر منحصر نہیں ہے۔[۱۸]

اِن فقہی آراء سے ثابت ہوتا ہے کہ خلع کے حصُول میں شوہر کی رضامندی لازمی نہیں ہے۔ جسٹس ایس اے رحمان نے جن فقہاء و مفسرین کے اقوال سے استدلال کیا ہے ان کے استدلال پر جسٹس تقی عثمانی تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ امام مالکؒ نے حکمین کو یہ اختیار دیا ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ، امام شافعی، امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے تمام فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے کہ جب تک شوہر حکمین کو اپنا وکیل مختار بنائے اس وقت تک ان کو شوہر کی مرضی کے بغیر تفریق کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم میں حکم بھیجنے کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں کیا گیا ہے۔

"وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُواْ حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلاَحًا يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا"[19]

ترجمہ: اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑ جانے کااندیشہ ہو تم ایک حکم مرد کی طرف سے اور ایک عورت کی طرف سے بھیجو، اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ زوجین کے اندر موافقت پیدافرمادے گا۔

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ اِس آیت کاآخری جملہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ حکم زوجین کے درمیان تفریق اورعلیحدگی کے لیے نہیں بلکہ دونوں میں موافقت پیدا کرنے اور پھوٹ سے بچانے کے لیے بھیجے جارہے ہیں۔[20]

تقی عثمانی امام شافعیؒ کی رائے کاحوالہ دیتے ہیں کہ جب زوجین کے درمیان پھوٹ کااندیشہ ہو اور وہ حاکم کے پاس اپنا معاملہ لے جائیں تو اِس پرواجب ہے کہ ایک حکم شوہر کی طرف سے اورایک حکم بیوی کی طرف بھیجے، یہ حکم اہلِ قناعت اور اہلِ عقل میں سے ہوں تا کہ اِن کے معاملے کی تحقیق کریں اور حتی المقدور مصالحت کرائیں لیکن حاکم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ حکمین کو اپنی رائے سے شوہر کے حکم کے بغیر تفریق کاحکم دے اورنہ وہ عورت کا کوئی مال اس کی اجازت کے بغیر شوہر کو دے سکتے ہیں۔ پس اگر زوجین میں مصالحت ہو جائے تو بہتر ورنہ حاکم پر یہ واجب ہے کہ وہ فریقین میں سے ہر ایک پر دوسرے کے جانی، مالی، اور ادبی حقوق واجبہ کی ادائیگی کا فیصلہ کرے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ ذکرفرمایاہے کہ "إِن يُرِيدَا إِصْلاَحًا يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا" ا(اگروہ دونوں اصلاح کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں موافقت پیدا فرما دے گا)اور تفریق کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ ہاں البتہ حاکم کے لیے میں پسند کرتاہوں کہ وہ زوجین سے کہے کہ وہ حکمین کے ہر فیصلے پر راضی ہوجائیں اوردونوں انہیں اپنا وکیل بنا دیں شوہر حکمین کو اس بات کا وکیل بنائے کہ وہ اگرمناسب سمجھیں تواپنی رائے کے مطابق کچھ لے کر یابغیر کچھ لئے تفریق کردیں۔[21]

موخر الذکرُ فقہاء اورُ علماء کے تبصرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شوہر خلع کو قبول کر لے اور باہمی رضا مندی سے یہ مسئلہ حل ہو جائے تو اسلامی معاشرہ میں احسن طریقہ یہی ہو

گا مگر ایسے حالات جہاں شوہر معاملات خلع پر رضا مند نہ ہو اور نہ ہی طلاق دینے پر آمادہ ہو اور عورت اپنی ازدواجی زندگی کو شوہر کے ساتھ جاری رکھنے پر رضا مند نہ ہو تو اِن فقہاء کی آراء جو شوہر کی رضا مندی کو شرط قرار نہیں دیتے۔ اِس پر قیاس کرتے ہوئے اِس مسئلہ کا حل پیش کیاجا سکتاہے۔ قانون جس کا کام اشخاص کے حقوق متعین کرنا ہے اِس پہلو سے بحث نہیں کرتا۔ وہ جس طرح مرد کو شوہر ہونے کی حیثیت سے طلاق کا حق دیتا ہے۔ عورت کو بھی حقِ خلع دیتا ہے تاکہ دونوں کے لیے بوقتِ ضرورت عقد نکاح سے آزادی حاصل کرنا ممکن ہو۔ اور کوئی فریق بھی ایسی حالت میں مبتلا نہ کر دیا جائے کہ دل میں نفرت ہے۔ اِس وقت مقاصد نکاح پورے نہیں ہوتے جب رشتہ ازدواج ایک کلفت بن جائے جہاں عورتوں کے لیے تنگی ہو وہاں شریعتِ اسلامیہ شوہروں کوہدایت کرتی ہے کہ جب عورتیں خلع کرناچاہیں تو انہیں روکا نہ جائے۔خلع کا سب سے مشہور مقدمہ وہ ہے جس میں ثابتؓ بن قیس سے اُن کی بیویوں نے خلع کیا ہے۔ ان کی ایک بیوی جمیلہ بنت ابی بن سلول تھیں، انہیں ثابتؓ کی صورت نا پسند تھی۔ انہوں نے نبی کریمﷺ کے پاس خلع کے لیے مرافعہ کیا اور اِن الفاظ میں اپنی شکایت پیش کی:

وما أعتب عليه فى خلق ولا دين و لكني أكره الكفر فى الاسلام[۲۲]

ترجمہ: میں اس کے دین اور اخلاق پر کوئی حرف نہیں رکھتی مگر مجھے اسلام میں کفر کاخوف ہے۔

جب نبی کریمﷺ نے یہ شکایت سنی اور فرمایا کہ ''اتردين عليه حديقته التي أعطاك'' جو باغ تجھ کواس نے دیا تھاوہ تو واپس کردے گی؟ انہوں نے عرض کیاہاں! یا رسول اللہ، بلکہ وہ زیادہ چاہے تو زیادہ بھی دوں گی حضورﷺ نے فرمایا ''أما الزيادہ فلا ولكن حديقته'' زیادہ تو نہیں مگر تو اس کا باغ واپس کردے۔ پھر ثابتؓ کو حکم دیا کہ ''أقبل الحديقة وطلقها تطليقة'' باغ قبول کرلے اور اس کو ایک طلاق دے دے۔[۲۳]

اِسی طرح ثابت کی ایک اور بیوی حبیبہ بنت سہیل الانصاریہ تھیں۔ ابن ماجہ نے حبیبہ کے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان سے معلوم ہوتاہے کہ حبیبہ کو بھی ثابت کیخلاف جو شکایت تھی وہ مار پیٹ کی

نہیں بلکہ بد صورتی کی تھی۔ اِسی طرح ربیع بنت معوذ بن عفراء نے اپنے شوہر سے اپنی تمام املاک کے معاوضہ میں خلع حاصل کرنا چاہا، شوہر نہ مانا، حضرت عثمانؓ کے پاس مقدمہ پیش ہوا حضرت عثمانؓ نے اِس کو حکم دیا کہ اِس کی جائیداد میں سے کچھ لے لے اور اس کو خلع دے دے۔"[۲۴]

اِن روایات سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ اِن عورتوں کے دِل میں شوہر کی طرف سے نفرت و کراہت بیٹھ چکی ہے تو آپ نے اِن کی درخواست کو قبول فرما لیا کیونکہ نفرت و کراہت کے ساتھ ایک عورت اور مرد کو جبراً ایک دوسرے سے منسلک رکھنے کے نتائج دین اور اخلاق و تمدن کے لیے طلاق وخلع کی نسبت زیادہ خراب ہیں۔ اِن سے تو مقاصد شریعت ہی کے فوت ہو جانے کا خوف ہے۔ نبی کریم ﷺ کے عمل سے یہ قاعدہ نکلتا ہے کہ خلع کا حکم نافذ کرنے کے لیے محض اس بات کا تحقیق ہو جانا کافی ہے کہ عورت اپنے شوہر کو قطعی ناپسند کرتی ہے اور اِس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔

آثار وقرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ نفرت وکراہت کی تحقیق کے لیے قاضی شرعاً کوئی مناسب تدبیر اختیار کر سکتا ہے تا کہ کسی شبہ کی گنجائش نہ رہے اور بالیقین معلوم ہو جائے کہ زوجین میں اِس رشتہ کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ عورت کو اپنے شوہر سے بہت سے ایسے اسباب کی بناء پر نفرت ہو سکتی ہے جس کو کسی کے سامنے بیان نہیں کیا جا سکتا تو سننے والا نفرت کے لیے کافی نہ سمجھے گا، لیکن جس کو اِن اسباب سے رات دن سابقہ پیش آتا ہے اِس کے دل میں نفرت پیدا کرنے کے لیے وہ اسباب کافی ہوتے ہیں۔

اُمتِ مسلمہ کے تمام افراد افہام و تفہیم کے لحاظ سے یکسانیت نہیں رکھتے، ایسے معاملات میں شرعی عدالتیں اپنے فرائض سرانجام دے سکتی ہیں۔ قاضی یا حکمین کا کردار مسلم معاشروں میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ایسے مقدمات جن میں زوجین باہمی رضامندی سے خلع کا اطلاق نہ کر سکیں، تو قاضی کا کردار اِس قانون کے اطلاق میں معاون ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ شریعت میں عائلی معاملات کی نزاعی صورت میں قاضی سے رجوع کی سہولت رکھی گئی ہے۔ شوہر کی خلع میں رضامندی کی صورت میں کوئی متنازعہ صورت موجود نہیں ہوتی۔ مگر وہ نزاعی معاملات جن میں زوجین معاملات طے نہ کر سکیں تو عدالت سے رجوع کرنے کا جواز موجود ہے۔

ہر ذی شعور میں طبائع اختلاف موجود ہے جو بسااوقات شدید ترینُ صورتِ حال کاپیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں اِس لیے عورت کے حقِ خلع کو بھی کسی اخلاقی لحاظ سے مقید نہیں ہوناچاہیے۔ کوئی طالب خلع عورت دوحال سے خالی نہ ہو گی۔ یا وہ فی الحقیقت خلع کی جائز ضرورت رکھتی ہوگی یا محض ذواقہ ہو گی۔ اس لیے شوہر کی عدم رضامندی پر عدالتوں کو عورت کے داخلہ دعویٰ خلع پر حقائق کی بنیاد پر یک طرفہ فیصلہ جاری کرنے کا اختیار رکھنامعاملات کے سلجھاؤ کی طرف ایک قدم ہو گا۔ عورت کے میلانِ طبع اس طرف مائل نہ ہو تو بجز اس یک طرفہ عدالتی فیصلے کے اورکیاراستہ ہو سکتاہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک عورت کو آپ ﷺ کے پاس لایا گیا جواپنے شوہر سے خلع کی طلب گار تھی، آپؓ نے اسے سمجھایامگر وہ مسلسل خلع کی طلب گار رہی، حضرت عمرؓ نے اسے تین دن کے لیے بہت سے اونٹوں والے باڑے میں بند کر دیا۔ پھر اسے بلا کو پوچھا، اب تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولی اے امیر المومنین! مجھے یہی تین دن تو آرام کے میسر آئے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اِس کے شوہر سے فرمایا کہ اس سے خلع کرلو خواہ اس کے کان کے بُندے پر کرو۔[۲۵]

ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے ایسے حالات میں جہاں نفرت و کراہت اس درجہ موجود ہو اورشوہر کی عدم رضا مندی کی صورت میں اگر یک طرفہ عدالتی فیصلوں یا قاضی کی مداخلت کو کلیۃ کالعدم قرار دے دیاجائے توپھر عورت مجبور ہوجائے گی کہ وہ اِس تعلق میں بندھی رہے۔ خواہ حدودا للہ پر قائم رہنا اِس کے لیے محال ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اورمناکحت کے شرعی مقاصد بالکل ہی کیوں نہ فوت ہو جائیں۔ کیاشریعتِ اسلامیہ پر اِس بے انصافی کاالزام عائد ہو سکتاہے؟

نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے پاس خلع کے دعویٰ لے کر عورتوں کاآنا اورآپ ﷺ کااِن کی سماعت کرنااِس بات کی دلیل ہے کہ جب زوجین میں خلع پر راضی نامہ نہ ہوسکے توعورت کا قاضی سے رجوع کرنے کاجواز موجود ہے۔ نبی کریمؐ اور خلفائے راشدین کے جتنے فیصلے منقول ہیں ان سب میں یاتوصیغۂ امر آیاہے جیسے طلقھا (اسے طلاق دے) فارقھا (اسے سے جُدا ہو جا) اور خل سبیلھا. (اس کو چھوڑ دے) یا یہ بیان کیا گیاہے کہ آپ ﷺ نے مرد کو حکم دیا کہ ایسا کرے۔[۲۶] ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے جوروایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ففرق بینھما پھر آپ ﷺ نے

اُن کوُجدا کر دیا۔ اوریہی الفاظ اِس روایت میں بھی ہیں جو خود جمیلہ بنت ابی بن سلول سے منقول ہے اِس کے بعد یہ شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ قاضی خلع کے معاملہ میں حکم دینے کا مجاز نہیں۔ در حقیقت خلع کے معاملہ میں عدالت کی اجازت کے جائز نہ ہونے کے جوُفقہاء قائل ہیں اِن کے نزدیک خُلع کا معاملہ زوجین کی باہمی رضامندی کے ساتھ اور دونوں میں سے ایک کے ایجاب اور دوسرے کی قبولیت کے ساتھ ہے۔ اِسی پر قیاس کرتے ہوئے اِس کے جواز اور ضمانت کے لیے قاضی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح دوسرے معاہدوں کے جواز کے لیے کوئی حاجت نہیں جیسے وہ خلع کے جواز اور اِس کے درست ہونے کے لیے قاضی کی اجازت کی شرط نہیں لگاتے۔ امام احمدؒ کے نزدیک خلع سلطان کے بغیر جائز ہے۔ امام بخاریؒ نے اِس کو حضرت عمرؓ اور عثمانؓ سے روایت کی اور شریحؒ والزہریؒ ،امام مالکؒ اور امام شافعیؒ و اسحاقؒ اور اہل الرائے اسی رائے پر متفق ہیں۔[۲۷] حسنؒ اور ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ خلع سلطان کے ذریعہ سے جائز ہے۔

جصاص نے اِحکام القرآن میں سعید بن جبیرؒ سے روایت کیاہے کہ خلع اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک وہ (شوہر) اس کو نصیحت نہ کرے اگر وہ نصیحت مان لے تو درست ہے ورنہ فریقین حاکم یا سلطان کے پاس معاملہ لے جائیں پس وہ ایک ثالث بنائے اِس (شوہر) کے خاندان میں سے اور ایک اِس (بیوی) کے خاندان میں سے وہ دونوں حاکم کے سامنے بیان کریں جو کچھ وہ سنے اِس کے بعد اگر وہ فیصلہ کرے علیحدگی کا تو علیحدگی کرادے۔ اگر مفاہمت کا فیصلہ کرے تو مفاہمت کرادے۔[۲۸] ابنِ حزمؒ کی رائے میں بھی خلع صرف سلطان کے ذریعہ جائز ہے۔[۲۹] ابن حجر عسقلانیؒ نے ابوعبیدہؓ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ خلع کے جواز کے لیے قاضی کی اجازت کی شرط لگانے کے لیے ایک آیت سے استدلال کیا ہے۔

''وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُواْ حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا''[۳۰]

''اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں عدمِ نبھاؤ ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کر و وہ اگر صلح کرا دینی چاہیں گے تو خدا ان میں موافقت پیدا کر دے گا ''۔

خوف کا لفظ زوجین کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے آیا ہے۔[۳۱]

جمہورُ فقہاء جو سلطان یا اس کے نائب قاضی کی اجازت کے بغیر خلع کو جائز قرار دیتے ہیں وہ اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ طلاق حاکم کے بغیر جائز ہے۔ تو اسی طرح بھی جائز ہے۔آیت کریمہ فَـإِنْ خِفْـتُمْ أَلاَّ يُقِيمَـا حُـدُودَ اللهِ فَـلاَ جُنَـاحَ عَلَيْهِمَـا فِيمَـا افْتَـدَتْ بِـهِ اس آیت میں مراد ائمہ کی اجازت ہے کہ زوجین میں نزاع کی صورت میں ان کو واجبات کی ادائیگی اور دیگر معاملات خلع طے کر دینے چاہئیں زوجین میں نزاعی صورت میں لیکن اِس سے یہ مراد نہیں ہے کہ معاملہ ان تک لے جانے کی وجہ ان کی اجازت لینا ہے کہ خلع جائز ہو جائے۔[۳۲]

رہا یہ سوال کہ شوہر اس حکم کو محض مشورہ سمجھ کر ماننے سے انکار کر دے تو کیا عدالت اِسے جبراً اپنا حکم منوا سکتا ہے؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد میں تو ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ آپ نے کوئی فیصلہ صادر کیا ہو اور کسی نے اس کی سرتابی کی ہو۔نزاعی معاملات میں قاضی کو اختیارات دینے سے تمام معاملات کا ایک مستحکم حل نکلتا ہے تو پھر ایک خلع ہی کا مسئلہ ایسا ہے جسے عدالت کے اِس حق سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ فقہ اسلامی میں متعدد جزئیات ایسے ملتی ہیں جن میں عدالت کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر شوہر اِس کے حکم سے طلاق نہ دے تو عدالت یک طرفہ ڈگری کا اجراء کر سکتی ہے۔ تو خلع کے مسئلہ میں عدالت کو اختیارات دینے سے گریز کیاجائے۔ عنین ،مجبوب، خصی، جذامی اور مبروص اور مجنون شوہروں کے مسئلہ میں فقہاء کرام نے جو ضوابط بیان کئے ہیں اور اِسی طرح خیار بلوغ اور بعض دوسرے مسائل میں جو اجتہادی قوانین مقرر کئے گئے ہیں ان پر قیاس کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ عورتوں کو خلع دلانے کے پورے اختیارات عدالت کو حاصل ہوں۔ ورنہ جو عورتیں ایسے حالات میں مبتلا ہو جائیں ان کے لیے بجز اِس کے اور کوئی صورت ہی نہیں رہتی کہ یا تو وہ تمام عمر مصیبت کی زندگی بسر کریں یاخود کشی کر لیں۔ یا اپنے داعیاتِ نفس سے مجبور ہو کر فواحش میں مبتلا ہو جائیں۔ یا مجبوراً مرتد ہو کر نکاح سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

مذکورہ پانچ عیوب کی بنیاد پر عدالت کو تفریق کا اختیار دیا گیا ہے۔ انہی آراء کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایسے شوہر مجرمانہ ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں عام معاشرتی لین دین میں اِن عادات کا ظاہر ہونا اتنا عام نہیں ہوتا۔ اِن حالات میں شوہر کی رضامندی کا حصول عورت کے لیے ایک سنگین مرحلہ ہے۔ مگر ان کا جارحانہ رویہ عورت کے ساتھ بدستور رہتا ہے تو اِن مخصوص حالات میں عورت خلع کے لیے عدالت سے رجوع کرتی ہے تو اِس ضابطہ کے تحت خلع دینے یا نہ دینے کو مرد کی رضامندی کے ساتھ مشروط نہیں رکھا جا سکتا۔ قانونِ اسلامی میں عورت اور مرد کے حقوق کے مابین توازن و استحکام رکھا گیا ہے۔ عورت خُلع حاصل کرنا چاہے تو عدالت کے یکطرفہ فیصلہ میں کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔

فقہی تصریحات کی روشنی میں اصول شرع کے تحت یہ ضابطہ بنایا جا سکتا ہے کہ اگر خلع کی طالب اپنے شوہر کا نشوز ثابت کر دے یا خلع کے لیے ایسے وجوہ ظاہر کرے جو قاضی کے نزدیک معقول ہوں تو مرد کی رضامندی کے ساتھ اس مسئلہ کو مشروط نہیں رکھا جا سکتا، اور مرد اپنی خود غرضی کی بناء پر خلع نہ دینا چاہے تو عورت کے لیے کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ شارع کا منشاء ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ معاملہ نکاح کے ایک فریق کو بالکل بے بس کرکے دوسرے فریق کے ہاتھ میں دے دے اگر ایسا ہوتا تو وہ بلند اخلاقی و تمدنی مقاصد فوت ہو جائے جو اس نے مناکحت کے ساتھ وابستہ کئے ہیں۔ البتہ قضائے شرعی کی شرائط میں سب سے پہلی شرط عدالت لازماً اسلامی ہونا ہے۔ جن مسائل کا تصیفہ عدالت کے فیصلہ پر چھوڑا گیا ہے اگرچہ اِن کے لیے شریعت میں مفصل قوانین موجود ہیں۔ لیکن شخصی معاملات میں ہر ہر مقدمہ کے مخصوص حالات کو پیش نظر رکھ کر ان قوانین کی صحیح تعبیر و تنفیذ اور اصول قانون سے حسب موقع جزئیات کا استنباط اور روح قانون کے مطابق فصل خصومات کے جملہ شرائط کا لحاظ کئے بغیر ممکن نہیں، جج میں قوتِ اجتہاد ہو، اور اِس کے ساتھ اِس کے دل میں اعتقاداً اِس قانون کا احترام بھی موجود ہو، جس کو نافذ کرنے کے لیے وہ منصبِ قضاء پر مامور ہوا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اِسلامی معاشرے میں دینی افہام و تفہیم اتنی وُسعت کے ساتھ جاری رہے کہ فکر اور رویہ میں تبدیلی آئے۔ فکر اور رویہ جب تک اِسلامی تناظر میں جنم نہیں لے گا، جرائم، معاشرتی اقدار کا زوال، عائلی ادارے کی بیخ کنی ہوتی رہے گی۔

حوالہ جات:

۱. سورۃالنساء: ۲۰

۲. سورۃالنساء: ۲۰

۳. سورۃالنساء: ۱۹

۴ سورۃالبقرہ: ۲۲۹

۵۔ زادالمعاد، الجوزیہ، ابن قیم، موسستہ الرسالۃ، بیروت، : ۲۳۸/۲

۶۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی: ۱؍ ۷۵

۷۔ احکام القرآن: ۱؍ ۴۶۸

۸۔ المبسوط: ۶؍ ۱۷۳

۹۔ تفہیم القرآن: ۱؍ ۱۷۶

۱۰۔ کتاب الام: ۵؍ ۲۰۰

۱۱۔ المھذب: ۲؍ ۷۱

۱۲۔ بدایۃالمجتہد: ۲؍ ۶۸

۱۳۔ زادالمعاد: ۲؍ ۲۳

۱۴۔ بدائع الضائع: ۳؍ ۱۴۵

۱۵۔ All Pakistan legal decisions, vo / xix, supreme court, PLD 1967

۱۶۔ ایضًا

۱۷۔ الجامع الاحکام القرآن، قرطبیؒ

۱۸۔ نیل الاوطار: ۳؍ ۲۶۰

۱۹۔ سورۃالنساء: ۳۵

۲۰۔ فقہی مقالات: ۲؍ ۱۶۹

۲۱۔ کتاب الُام: ۵؍ ۱۹۵

۲۲. سنن نسائی، کتاب الطلاق: ۲؍ ۴۹۷

۲۳. ایضاً

۲۴. المصنف عبدالرزاق: ۶؍ ۵۰۴

۲۵. المصنف عبدالرزاق:۶؍۵۰۵، سنن البیہقی:۷؍۳۱۵

۲۶. حقوق الزوجین:۵۷

۲۷۔ المغنی:۴؍۵۲

۲۸۔ اِحکام القرآن:۱؍۳۹۵

۲۹۔ المحلیٰ:۱۰؍۲۳۷

۳۰۔ سورۃ النساء:۳۵

۳۱۔ شرح ابن حجر عسقلانی الصحیح البخاری:۹؍۳۹۷

۳۲۔ فتح القدیر:۳؍۲۰۲